صغر سنی کی شادیاں اور اسلام ــــ ایک مطالعہ

(۳)

عمر احمد عثمانی

حضرت عائشہؓ کا نکاح

جیسا کہ گزشتہ اشاعت میں اشارۃً بتایا گیا تھا کہ ہمارے فقہائے کرام کو اس مسئلہ میں ایک روایت کی وجہ سے اشتباہ ہوا ہے جس پر بحث کرنے کا وعدہ آئندہ اشاعت میں کیا گیا تھا۔ چنانچہ اب ہم اس روایت پر بحث کریں گے۔ یہ روایت حدیث کی تمام معتبر کتابوں میں صحیح ترین سند کے ساتھ بیان ہوئی ہے اور یہی وہ روایت ہے جس کی بنا پر ہمارے فقہاء کو صغر سنی کی شادیوں کے جواز کا فتویٰ دینا پڑا ہے۔ یہ روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کی گئی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ

تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و انا بنت ست سنین فقدمنا المدینة .... فلم یرعنی الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسلمتنی الیہ و انا یومئذ بنت تسع سنین۔ وفی روایة ۔ قال عروة توفیت خدیجة قبل

حضور اکرمؐ نے مجھ سے نکاح کیا جبکہ میں چھ سال کی تھی۔ اس کے بعد ہم مدینہ آئے .... پھر (رخصتی کے وقت) مجھے کسی بات نے نہیں گھبرایا مگر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور (انصاری عورتوں نے) مجھے

مخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینة بثلاث سنین فلبث سنتین او قریبا من ذلك ونکح عائشة وھی بنت ست وبنی بھا وھی بنت تسع .... وفی اخری: وکانت عندہ تسعا۔ وفی اخری: تزوّجنی وانا ابنة سبع۔

آپ کے حوالہ کر دیا۔ اُن دنوں میں نو سال کی تھی ایک دوسری روایت میں ہے کہ عروہ ابن زبیر رضؓ نے بتایا کہ حضرت خدیجہ رضؓ کا انتقال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے سے تین سال پہلے ہو گیا تھا، دو سال یا قریب دو سال تک آپ نے کوئی شادی نہیں فرمائی۔ پھر حضرت عائشہ رضؓ سے نکاح کیا۔ جبکہ وہ چھ سال کی تھیں۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کی رخصتی اس وقت ہوئی جبکہ وہ نو سال کی تھیں۔ ایک اور روایت میں یہی بات دوسرے لفظوں میں کی گئی ہے۔ اور ایک چوتھی روایت میں ہے کہ (حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ) حضور نے مجھ سے نکاح فرمایا جبکہ میری عمر سات سال کی تھی

(صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی)

(بحوالہ جمع الفوائد ص ۲۱۴ ج ۱)

یہ ایک روایت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے چھ سال کی عمر میں نکاح فرمالیا تھا اور جب ان کی رخصتی ہوئی تو اس وقت ان کی عمر نو سال کی تھی۔ علمائے کرام کے لئے یہ حدیث انتہائی مشکل واقع ہوئی ہے۔ جہاں تک چھ سال کی عمر میں نکاح ہوجانے کا تعلق ہے تو اس کی بنا پر تو انھوں نے یہ فتویٰ دیدیا کہ صغرسنی کی شادیاں جائز ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ اگر صغرسنی کی شادیاں جائز نہ ہوتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھ سال کی عمر میں نکاح نہ فرماتے۔ لیکن جہاں تک نو سال کی عمر میں رخصتی ہوجانے کا تعلق ہے جو عام طور پر بلوغ کی عمر نہیں سمجھی جاتی تو یہ حدیث پھر بھی مشکل ہی سمجھی جاتی ہے۔ عام طور پر ہمارے فقہائے کرام اور علمائے امت نے افریقہ وغیرہ کی کچھ غیر معمولی

بلکہ استثنائی مثالوں کو سامنے رکھ کر یہ ثابت کرکے اپنا پیچھا چھڑانے کی کوشش فرمائی ہے کہ لڑکیاں بعض خاص صورتوں میں خصوصاً گرم ممالک میں نوسال کی عمر میں بھی بالغ ہو جاتی ہیں لیکن یہ جواب جیسا کچھ ہے، وہ ظاہر ہے۔ کیونکہ معاملہ افریقہ کا نہیں ہے اور سوال خصوصی صورتوں کا نہیں ہے واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے۔ مکہ مکرمہ آج بھی زمین کے نقشہ پر موجود ہے۔ وہ آج بھی اتنا ہی گرم ملک ہے جتنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوا کرتا تھا۔ وہاں آج بھی لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں اور وہ عموماً نوسال کی عمر میں بالغ نہیں ہو جاتیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گھرانا جس شرافت و تقدس کا سرچشمہ تھا۔ وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ وہاں تو ہم ان خصوصی حالات اور مخصوص کوائف کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جو دوسری جگہوں میں لڑکیوں کو نوسال کی عمر میں بالغ کر دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث پھر بھی مشکل ہی رہتی ہے۔ (اور اس حدیث کو سامنے رکھ کر مخالفین اسلام کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کچھ کہا جاتا رہا ہے اس کا اندازہ مستشرقین یورپ کی تحریرات سے آسانی لگایا جا سکتا ہے)۔

یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور دوسری تمام معتبر کتب حدیث میں بیان ہوئی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اسی ایک حدیث کی بناء پر فقہاء وعلماء کا جم غفیر صغرسنی کی شادیوں کے جواز کا قائل چلا آرہا ہے اور جو لوگ صغرسنی کی شادیوں کے عدم جواز کے قائل ہیں وہ بھی لڑکیوں کی حد تک یا تو جواز کے قائل ہیں یا پھر اس واقعہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات پر محمول کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

لیکن اس موقعہ پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث کتنی ہی قوی اور سند کے اعتبار سے کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو لیکن بہرحال وہ ایک خبر واحد ہے جو قرآن کریم کی نص صریح کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ روایۃً کسی حدیث کا قوی السند ہونا فی الواقعہ بھی اس کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہوتا۔ علمائے اصول نے یہ بات صاف کر دی ہے کہ خبر واحد اگر سنداً صحیح بھی ہو مگر وہ قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف ہو تو اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ گذشتہ صفحات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کی نص صریح نے نکاح کی عمر بلوغ کو بتایا ہے۔ لہٰذا صغرسنی کی شادیوں کے جواز میں قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے جواب میں حضرات علمائے کرام کی طرف سے جب یہ موقف اختیار کیا جاتا ہے کہ "حدیث اگر صحیح ہو تو اس کو قبول کرنا واجب ہے۔ اور اگر قرآن کریم کی کوئی نصِ صریح اس کے خلاف جاتی ہے تو اس کو چھوڑ دینا ضروری ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرآن کریم کی نصوص کو اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ جب حضور اکرم کا کوئی قول یا فعل قرآن کی نص کے خلاف ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نصِ قرآنی کا وہ مطلب نہیں ہے جو ہم سمجھ رہے ہیں بلکہ اس کا مطلب کچھ اور ہے" تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ کوئی سمجھدار انسان اس موقف کو قبول نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ خود محدثین نے بھی اس موقف کو اختیار نہیں فرمایا۔
نصِ صریح کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ قرآن کریم کی وہ آیت اپنے معنی اور مراد میں اتنی واضح ہے کہ اس کے کوئی دوسرے معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر کوئی خبرِ واحد قرآن کریم کی نصِ صریح کے معارض ہے تو اس کے یہ معنی کیوں نہیں کہ وہ خبرِ واحد ہی غلط تسلیم کی جائے۔ ظنی اور قطعی کا مقابلہ ہی کیا ہے۔ قرآن کریم قطعی ہے اور خبرِ واحد ظنی۔ لہٰذا خبرِ واحد کو غلط کیوں نہ مانا جائے؟۔

حدیثِ عائشہؓ پر تنقید

اس کے بعد جب ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ روایت کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ٹھہرتی۔ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح سنہ ۱۰ بعثت میں ہوا تھا۔ کیونکہ مشہور قول کے مطابق بعثت کے بعد تیرہ سال تک آنحضرت صلعم مکہ میں رہے اور ہجرت سے تین سال پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا یعنی سنہ ۱۰ نبوت میں اور دو سال تک آپ نے شادی نہیں کی۔ لہٰذا سنہ ۱۲ نبوت میں ہجرت سے ایک سال پہلے جب آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال تھی۔ یعنی حضرت عائشہؓ کی پیدائش سنہ ۶ نبوت میں ہوئی تھی۔ لیکن یہ بات بوجوہ غلط ہے۔
(۱) سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ اس کی تردید خود بخاری ہی کی ایک روایت سے ہو جاتی ہے جس میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ

"جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ (سورۃ القمر کی) آیات نازل ہوئیں تو میں ان دنوں بچی تھی اور کھیلتی پھرتی تھی"

(بخاری ص ۲۰ ج ۲)

سورۃ القمر تقریباً ۵ھ نبوت میں نازل ہوئی تھی۔ اگر ۵ھ نبوت میں حضرت عائشہ رضؓ بچی تھیں اور کھیلتی پھرتی تھیں تو ان کی پیدائش ۱۰ھ نبوت میں کیسے ہو سکتی ہے؟ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ۵ھ نبوت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کم از کم پانچ چھ سال ضرور ہو گی۔ کیونکہ اس سے کم عمر میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کھیلتی پھرتی ہوں اور یہ سمجھ سکتی ہوں کہ یہ قرآن کریم کی آیتیں ہیں اور بعد میں یہ واقعہ انھیں یاد بھی رہا ہو۔ واضح رہے کہ یہ روایت بھی صحیح بخاری ہی کی ہے اور سند کے اعتبار سے یہ اسی درجہ کی روایت ہے، جس درجہ کی بخاری وغیرہ کی وہ روایت ہے جو ان کے نکاح کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بالاتفاق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پانچ سال چھوٹی تھیں۔ چنانچہ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں ہے کہ

حضرت فاطمہ رضؓ، حضرت عائشہ رضؓ سے تقریباً پانچ سال بڑی تھیں۔ (ص ۳۷۷ ج ۴)

لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سال پیدائش معلوم کرنے کے لئے ہمیں دیکھنا ہو گا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کس سال میں پیدا ہوئی تھیں۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ہی میں ہے کہ

حضرت فاطمہ رضؓ کی پیدائش اس سال میں ہوئی تھی جبکہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی اور نبی اکرمؐ کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ (ص ۳۷۷ ج ۴)

اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے کہ

حضرت عباس رضؓ حضرت علی رضؓ کے ہاں گئے تو حضرت فاطمہ رضؓ حضرت علی رضؓ سے کہہ رہی تھیں کہ میری عمر تم سے زیادہ ہے تو اس پر حضرت عباس رضؓ نے فرمایا کہ فاطمہ رضؓ اس زمانہ میں پیدا ہوئی تھیں جبکہ قریش خانۂ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور علی رضؓ اس سے چند سال ... پیدا ہو چکے

تھے۔ (ایضاً صفہ ۲۵ ج ۴)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ

حضرت فاطمہ رضہ رسول اللہ کی بیٹی ہیں۔ ان کی والدہ حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد ابن عبد العزی ابن قصی ہیں۔ حضرت فاطمہ رضہ حضرت خدیجہ رضہ کے بطن سے ان دنوں پیدا ہوئی تھیں جب قریش بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے اور یہ واقعہ نبوت سے پانچ سال پہلے کا ہے (صفہ ۱۱ ج ۸)

اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے کہ

حضرت عباس رضہ ایک مرتبہ حضرت علی رضہ کے گھر گئے تو حضرت فاطمہ رضہ حضرت علی رضہ سے فرمارہی تھیں کہ میں تم سے عمر میں بڑی ہوں۔ حضرت عباس رضہ نے فرمایا: دیکھو فاطمہ رضہ! تم ان دنوں پیدا ہوئی تھیں جبکہ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور نبی اکرم ص کی عمر پینتیس سال کی تھی، اور دیکھو علی! تم اس سے چند سال پہلے پیدا ہوئے تھے

(ایضاً صفہ ۱۷ ج ۸)

حضرت فاطمہ رضہ اور حضرت علی رضہ

ان تمام بیانات میں حضرت عباس رضہ کے قول کے مطابق حضرت فاطمہ رضہ کی پیدائش ۵ سال قبل نبوت میں ہوئی تھی جبکہ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس ۳۵ سال کی تھی۔ لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان بیانات میں خود حضرت فاطمہ رضہ اس کی مدعی ہیں کہ ان کی عمر حضرت علی رضہ سے زیادہ تھی۔

اصحاب سیرۃ تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت علی رضہ کی پرورش کا بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا تھا اور حضرت علی رضہ نے آنحضرت صلعم کے دامن تربیت ہی میں پرورش پائی تھی (کیونکہ ابوطالب کی مالی حالت کچھ بہتر نہیں تھی۔ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ابوطالب ہی نے فرمائی تھی اس لئے غالباً اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے بھی آپ نے حضرت علی رضہ کی پرورش کی ذمہ داری قبول فرمائی ہوگی) حضرت

علی رضؓ کی عمر بعثت کے وقت بالاتفاق دس سال تھی یعنی ان کی پیدائش سنلہ قبل نبوت میں ہوئی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جس گھر میں حضرت فاطمہ رضؓ پروان چڑھ رہی تھیں۔ اسی گھرانے میں حضرت علیؓ بھی پرورش پا رہے تھے۔ دونوں ایک ہی گھر میں ایک ساتھ پلے، بڑھے۔ ایسی صورت میں یہ بات انتہائی مستبعد ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ کو یہ اشتباہ بلا وجہ ہو گیا ہو کہ ان کی عمر حضرت علی رضؓ سے زیادہ ہے۔ پانچ سال کی چھوٹائی بڑائی ایسی چیز نہیں ہوتی کہ ایک ساتھ پلے ہوئے، بڑھے ہوئے اور کھیلے ہوئے بچوں کو اس طرح بھول جائے کہ جو بچہ پورے پانچ سال چھوٹا ہے، وہ اپنے آپ کو اس بچے سے جو اس سے پورے پانچ سال بڑا ہے، بڑا سمجھ بیٹھے۔ عقل و شعور کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں میں لازماً پانچ سال کی چھوٹائی بڑائی ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ یہ چھوٹائی بڑائی بہت ہی معمولی یعنی چند مہینوں کی ہونی چاہیئے تاکہ حضرت فاطمہ رضؓ کے اشتباہ کا کچھ تو جواز نکالا جاسکے

اس کی تائید کلبی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو صاحب استیعاب نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے سلسلہ میں بیان کی ہے۔ صاحبِ استیعاب لکھتے ہیں کہ

سے دریافت کیا کہ اے ابومحمد! فاطمہ رضؓ بنت رسول اللہ صلعم کی کل عمر کتنی ہوئی تھی؟ تو عبداللہ بن الحسن رضؓ

وفات کے وقت حضرت فاطمہ رضؓ کی عمر کیا تھی؟ اس میں اختلاف ہے۔ زبیر ابن بکار نے عبداللہ ابن الحسن رضؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ ہشام ابن عبدالملک کے دربار میں تشریف رکھتے تھے اور وہاں کلبی بھی موجود تھے۔ ہشام نے عبداللہ ابن الحسن رضؓ نے فرمایا کہ تیس سال۔ اس کے بعد ہشام نے کلبی سے دریافت کیا کہ حضرت فاطمہ رضؓ کی کل عمر کتنی ہوئی تھی؟ تو کلبی نے بتایا کہ پینتیس سال۔ اس پر ہشام نے عبداللہ ابن الحسن رضؓ سے کہا کہ اے ابومحمد! سنئے، کلبی کیا کہہ رہے ہیں۔ اور ہشام نے کلبی کے بیان کو زیادہ اہمیت دی۔ اس پر عبداللہ ابن الحسن رضؓ نے کہا۔ اے اے امیر المومنین! مجھ سے میری ماں کے متعلق پوچھئے اور کلبی سے اس کی ماں کے متعلق دریافت فرمائیے۔ (استیعاب صـ۷۵۳ ج ۲)

مشہور قول کے مطابق حضرت فاطمہ رضؓ کی وفات سلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

وفات سے چھ ماہ بعد ہوئی ہے۔ اگر کلبی کے قول کے مطابق حضرت فاطمہ رضؓ کی وفات پینتیس سال کی عمر میں تسلیم کی جائے تو ان کی پیدائش ۱۲ھ قبل نبوت میں ہونی چاہئیے جبکہ حضرت علیؓ کی پیدائش ۱۰ھ قبل نبوت میں تسلیم کی گئی ہے۔ کلبی کی اس روایت سے حضرت فاطمہ رضؓ کے بیان کی توثیق وتائید ہوجاتی ہے۔

واضح رہے کہ حضرت عبداللہ بن الحسن کے اس قول میں کوئی وزن نہیں ہے کہ" اے امیرالمؤمنین مجھ سے میری ماں کے متعلق پوچھئے اور کلبی سے اس کی ماں کے متعلق دریافت فرمائیے" کیونکہ خود حضرت فاطمہ رضؓ کا بیان اور ان کا دعویٰ بھی کلبی کے بیان کی تائید کررہا ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم حضرت فاطمہ رضؓ کی عمر کے متعلق عبداللہ ابن الحسن سے دریافت کریں اور خود حضرت فاطمہ رضؓ سے دریافت نہ کریں۔ کلبی، روایات احکام کے سلسلہ میں محدثین کے نزدیک کتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو مگر تاریخ میں وہ ضعیف نہیں ہے۔ ہماری تاریخ کا معتدبہ حصہ کلبی ہی کا رہینِ منّت ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس مسئلہ میں اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ خلیفہ ہشام ابن عبدالملک کے نزدیک بھی عبداللہ ابن الحسن کے مقابلہ میں خود کلبی کا قول ہی قابل ترجیح تھا۔ رہ گیا حضرت عباس رضؓ کا بیان تو ہمیں ان کے بیان کی تغلیط کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

تاریخوں میں فرق کی وجہ

ان دونوں بیانوں میں تطبیق دینے کے لئے ہمیں ایک اصولی بات ذہن میں رکھنی چاہئیے۔ اور وہ یہ ہے کہ عربوں میں اسلام سے پہلے کیلنڈر کا رواج نہیں تھا۔ چنانچہ وہ عموماً مختلف واقعات کو دوسرے اہم اور مشہور واقعات کی نسبت سے یاد رکھنے کے عادی تھے۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اس سال ہوئی تھی جبکہ مکہ پر اصحاب فیل نے حملہ کیا تھا۔ حضرت فاطمہ رضؓ کی پیدائش اس سال ہوئی تھی جب قریش خانۂ کعبہ کی تعمیر کررہے تھے۔ واقعات کو اس طرح یاد رکھنے میں ایک دو سال بلکہ بعض اوقات کئی کئی سال کا فرق ہوجانا بعید از قیاس نہیں ہے — علاوہ ازیں عمروں کے بیان میں اگر سالِ پیدائش اور سالِ وفات دونوں کو شامل کرلیا جائے تو دو سال بڑھ جاتے ہیں اور اگر ان دونوں سالوں کو شمار نہ کیا جائے تو دو سال کم ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ

ظاہر ہے کہ نہ ہر کوئی پیدا ہونے والا محرم ہی کے مہینہ میں پیدا ہوتا ہے اور نہ ہر کوئی مرنے والا ذی الحجہ ہی کے مہینہ میں مرتا ہے کہ سالِ پیدائش اور سالِ وفات کو شمار کرنا ضروری قرار دیا جاسکے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ کلبی نے سالِ پیدائش اور سالِ وفات کو شامل کرکے حضرت فاطمہ رض کی عمر وفات کے وقت پینتیس سال بتائی ہو، ورنہ درحقیقت (ان دونوں سالوں کو خارج کرکے) وفات کے وقت ان کی عمر تینتیس سال کی ہو، اسی طرح نبوت کے تیئیس سال اور دس سال اس سے پہلے شمار کرکے حضرت فاطمہ رض کا سال پیدائش ۱۰ھ قبل نبوت ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جن اصحاب سیر نے حضرت علی رض کی عمر نبوت کے وقت دس سال بتائی ہے۔ انھوں نے بھی سال پیدائش کو ساقط کرکے ان کی یہ عمر بتائی ہو۔ ورنہ درحقیقت حضرت علی رض کی پیدائش ۱۱ھ قبل نبوت کی ہو۔

ہمارا خیال یہی ہے کہ حضرت علی رض کی پیدائش ۱۱ھ قبل نبوت میں اور حضرت فاطمہ رض کی پیدائش ۱۰ھ قبل نبوت میں ہوئی ہوگی۔ اور ان دونوں میں ایک سال یا چند مہینوں کی چھوٹائی بڑائی رہی ہوگی۔ اسی وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ اشتباہ ہوسکا ہوگا کہ ان کی عمر حضرت علی رض سے زیادہ ہے۔ لیکن واقعہ ایسا نہیں تھا، حضرت عباس رض نے اسی اشتباہ کو دور کرنے کے لئے حضرت فاطمہ رض کو بتایا تھا کہ حضرت علی رض ان سے بڑے ہیں، یعنی ان دونوں کے درمیان ایک سال یا چند ماہ کی چھوٹائی بڑائی تھی۔

حضرت فاطمہ رض کی پیدائش ۱۰ھ قبل نبوت میں تسلیم کی جائے تو حضرت عائشہ رض کی پیدائش ۵ھ قبل نبوت میں ہونی چاہئے۔ اور نکاح کے وقت یعنی ۱۲ھ نبوت میں ان کی عمر سترہ سال ہونی چاہئے اور اگر سال پیدائش یا سال نکاح کو ساقط کردیا جائے تو ان کی عمر سولہ سال بنتی ہے۔

حضرت عائشہ رض اور حضرت اسماء رض

(۳) اسی کی تائید ایک دوسرے بیان سے بھی ہوتی ہے جو امام ابن کثیر نے اپنی مشہور کتاب "البدایۃ والنہایۃ" میں درج فرمایا ہے۔ وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ

اور حضرت اسماء رض موت کے اعتبار سے تمام مہاجرین و مہاجرات میں سب سے آخری ہیں۔ ان کی بہن حضرت عائشہ رض ہیں۔ ان کے والد ابوبکر صدیق رض ہیں۔ ان کے دادا ابو عتیق

ہیں۔ ان کے بیٹے عبداللہ ہیں۔ اور ان کے شوہر حضرت زبیر ہیں اور یہ سب کے سب صحابی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت اسمار رضا اپنے بیٹے اور شوہر کے ساتھ معرکہ یرموک میں شریک تھیں۔ یہ اپنی بہن عائشہ رضا سے دس سال بڑی تھیں .... اس سال (۷۳ھ میں) جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ انھیں اپنے بیٹے عبداللہ کے قتل کا واقعہ دیکھنا پڑا۔ اس واقعہ کے پانچ دن بعد۔ اور ایک قول ہے کہ دس دن بعد تیسرا قول ہے کہ بیس دن بعد۔ اور چوتھا قول ہے کہ کچھ اوپر بیس دن بعد۔ اور پانچواں قول ہے کہ سو دن بعد۔ اور یہی قول مشہور ہے۔ حضرت اسمار رضا نے وفات پائی۔ وفات کے وقت ان کی عمر سو سال تھی، نہ ان کا کوئی دانت ٹوٹا تھا اور نہ عقل میں کوئی فتور آیا تھا۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

(البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۳۴۶ ج ۸)

اسی کی تائید صاحب مشکوٰۃ المصابیح امام ولی الدین ابوعبداللہ محمد ابن عبداللہ الخطیب رح کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ جو موصوف نے اپنی کتاب الکمال فی اسمار الرجال میں درج فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

اسمار بنت ابی بکر، یہ اسمار بنت ابی بکر صدیق رضا ہیں۔ انھیں ذات النطاقین کہا جاتا ہے کیونکہ جس شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے لئے نکلے تھے تو آپ نے اپنے نطاق کو پھاڑ کر اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑے سے آپ کے توشہ دان کو اور دوسرے ٹکڑے سے آپ کے مشکیزہ کو باندھ دیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دوسرے ٹکڑے کو نطاق کے طور پر اپنی کمر سے لپیٹ لیا تھا۔ یہ عبداللہ ابن الزبیر رضا کی والدہ ہیں۔ مکہ میں بہت شروع میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ کہتے ہیں کہ ان سے پہلے صرف سترہ آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ یہ اپنی بہن حضرت عائشہ رضا سے دس سال بڑی تھیں۔ ان کا انتقال اپنے بیٹے کی شہادت سے دس دن بعد یا بیس دن بعد ہوا جبکہ ان کی نعش اس لکڑی سے اتار لی گئی جس پر اسے لٹکایا گیا تھا۔ ان کی عمر وفات کے وقت سو سال کی تھی۔ یہ واقعہ ۷۳ھ ہجری کا ہے اور مکہ مکرمہ کا ہے۔ ان سے بہت لوگوں نے روایتیں بیان کی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ضمیمہ صفحہ ۵۸۷)

اسد الغابہ میں ہے کہ

حضرت اسماء رض حضرت عائشہ رض سے بڑی تھیں۔ حضرت عائشہ رض باپ کی جانب سے ان کی بہن تھیں۔ عبداللہ ابن ابی بکر ان کے حقیقی بھائی تھے۔ ابو نعیم نے کہا ہے کہ ان کی پیدائش تاریخ (یعنی ہجرت) سے ستائیس سال پہلے ہوئی تھی اور جب ان کی پیدائش ہوئی تو ان کے والد کی عمر کچھ اوپر بیس سال کی تھی۔ حضرت اسماء رض سترہ آدمیوں کے بعد اسلام لائی تھیں۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صـ ۲۹۲)

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی پیدائش ۱۴ء قبل نبوت میں ہوئی تھی۔ کیونکہ ۷۳ھ میں ان کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ایک سو سال تھی۔ لہٰذا ان کی پیدائش ۲۷ء قبل ہجرت اور ۱۴ء قبل نبوت میں ہونی چاہیئے۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں لہٰذا حضرت عائشہ رض کی پیدائش ۴ء قبل نبوت میں ہونی چاہئے۔ اور ۱۲ء نبوت میں جبکہ ان کا نکاح ہوا ہے ان کی عمر سولہ سال کی ہونی چاہئے۔

ان تمام شہادتوں سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر سولہ سترہ سال سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ حضرت عائشہ رض کے نکاح کے سلسلہ میں جو روایت اوپر بیان کی گئی ہے۔ اس میں سے یقیناً دہائی کا لفظ (عشرۃ) یا تو سہواً کسی راوی سے ساقط ہو گیا ہے یا قصداً ساقط کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح سولہ کا چھ اور انیس کا نو بن گیا ہے۔

(۴) مذکورہ بالا روایت سے قطع نظر تمام اصحاب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۱۰ء نبوت میں ہوا ہے۔ اور رخصتی کے متعلق صحیح قول یہی ہے کہ وہ شوال ۲ھ یعنی ۱۵ء نبوت میں ہوئی ہے۔ کیونکہ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام کم از کم تیرہ سال رہا ہے۔ یہی مشہور قول ہے اور اسی کو تمام اصحاب سیر اور محدثین نے ترجیح دی ہے۔ ورنہ دوسرا قول پندرہ سال کا بھی ہے۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے کہ

ایک شخص حضرت ابن عباس رض کے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلعم پر دس برس مکہ میں اور دس برس مدینے میں وحی نازل کی گئی۔ ابن عباس رض نے فرمایا کہ یہ کون کہتا ہے۔ مکہ میں آپ پر پندرہ برس تک یا اس سے زیادہ وحی نازل کی گئی۔

(اردو ترجمہ طبقات، جلد ۱ صـ ۳۳۳-۳۳۴)

حضرت عائشہ رضؓ کی رخصتی

لیکن خود ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری روایت یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ آپ مکہ میں تیرہ برس تک رہے۔ اس کے بعد ہجرت فرمائی چنانچہ اسی بات کو عام طور سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ آپ تیرہ سال تک مکہ میں رہے۔ لہٰذا ۱۰ نبوت کے بعد تین سال سے زیادہ عرصہ تو مکہ ہی میں گذر گیا تھا۔ اس کے بعد ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ہجرت کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کب ہوئی تھی، اس کے متعلق دو قول نقل کئے جاتے ہیں۔ پہلا قول شوال ۱ھ ہجری کا ہے اور دوسرا قول شوال ۲ھ ہجری کا ہے۔ مگر صحیح قول شوال ۲ھ ہجری ہی کا ہے۔ کیونکہ ہجرت ربیع الاول ۱ھ ہجری میں ہوئی تھی۔ حضور کے اہل وعیال اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر والے ہجرت میں ساتھ نہیں تھے۔ مدینہ منورہ پہنچے اور ہر طرح کا اطمینان ہو جانے کے بعد مکان وغیرہ کا انتظام کر کے ان سب کو بلوایا گیا تھا (طبقات ابن سعد ص ۴۳ ج ۸) — مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں اور ان کے سر کے تمام بال جھڑ گئے تھے۔ اس کے بعد آپ کی شادی اس وقت ہوئی جبکہ یہ بال دوبارہ اُگ آئے اور کندھوں تک آگئے تھے۔ (ملاحظہ ہو حضرت عائشہ رضؓ کی اپنی روایت بخاری ص ۵۵۱ ج ۲) ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں محض چھ سات ماہ کے عرصہ میں نہیں ہو سکتی تھیں۔ اسی لئے علامہ عینی کو شرح صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضؓ کی رخصتی کے سلسلہ میں یہ کہنا پڑا کہ

> یہ قول بہت ہی عجیب ہے کہ ان کی رخصتی ہجرت کے سات مہینے بعد ہو گئی تھی یہ قول بالکل کمزور ہے ان کی رخصتی جنگ بدر سے واپسی کے بعد شوال ۲ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

(عمدۃ القاری ص ۹۶ ج ۸)

اسی کی تائید صاحب استیعاب نے بھی کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے ہجرت سے تین سال پہلے شوال ۱۰ھ نبوی میں نکاح کیا تھا اور ہجرت سے اٹھارہ ماہ بعد شوال (۲ھ ہجری) میں مدینہ میں انھیں رخصت کرا کر لائے تھے۔ (استیعاب ص ۷۴۴ ج ۲)

حضرت فاطمہ رض کی شادی

اسد الغابہ میں ہے کہ

حضرت فاطمہ رض کی شادی حضرت عائشہ رض کی شادی کے چار ماہ بعد ہوئی تھی۔ (ص ۳۷۷ ج ۴)

اس لئے ہمیں یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ حضرت فاطمہ رض کی شادی کب ہوئی تھی؟ اس سلسلہ میں الاصابہ میں ہے کہ

حضرت علی رض نے حضرت فاطمہ رض سے شروع محرم ۲ھ ہجری میں شادی کرلی تھی یعنی حضرت عائشہ رض کی شادی کے چار مہینے بعد۔ (ص ۳۶۵ ج ۴)

لیکن یہ بیان غلط ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان اس کے خلاف موجود ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ

حضرت علی رض نے فرمایا کہ میری ایک اونٹنی تھی جو مجھے جنگ بدر میں مال غنیمت میں ملی تھی اور ایک اور اونٹنی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حصہ میں سے دی تھی جو حق تعالیٰ نے آپ کو بطور فَے کے عطا فرمایا تھا۔ یعنی خمس میں سے۔ میں نے ارادہ کیا کہ حضرت فاطمہ رض بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رخصت کرا کے لے آؤں اور میں نے بنو قینقاع کے ایک سنار سے بات چیت کی کہ وہ میرے ساتھ چلے اور ہم جنگل سے اذخر گھاس لے آئیں۔ میرا ارادہ تھا کہ اذخر گھاس کو سناروں کے ہاتھ فروخت کر کے جو رقم مجھے حاصل ہوگی اس سے شادی کا ولیمہ کردوں گا۔ [اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حمزہ رض نے کس طرح ان اونٹنیوں کی کوکھیں پھاڑ ڈالیں۔ چونکہ یہ قصہ ہمارے موضوع سے تعلق نہیں رکھتا اس لئے اسے نقل کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔]

(بخاری ص ۵ جزو ۳)

اس سے ظاہر ہے کہ جنگ بدر کے بعد تک حضرت علی رض کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ جنگ بدر رمضان ۲ھ ہجری میں ہوئی تھی۔ لہذا آپ کی شادی جلد سے جلد محرم ۳ھ ہجری میں ہوسکتی ہے۔

صاحب استیعاب اور صاحب اسد الغابہ نے اس بات کو اور صاف کر دیا ہے۔ صاحب اسد الغابہ

فرماتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضؓ کی شادی حضرت علی رضؓ سے جنگ احد کے بعد کی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ نے حضرت فاطمہ رضؓ سے شادی حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے ساڑھے چار ماہ بعد کی تھی، اور حضرت فاطمہ رضؓ کی رخصتی، ان کا حضرت علی رضؓ سے نکاح ہوجانے کے ساڑھے سات ماہ بعد ہوئی تھی۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ صفحہ ۵۲۰ ج ۵)

صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضؓ کی شادی حضرت علی رضؓ سے جنگ احد کے بعد کی تھی۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضؓ نے حضرت فاطمہ رضؓ سے شادی حضرت عائشہ رضؓ کی رخصتی سے ساڑھے چار ماہ بعد کی تھی۔ اور نکاح اور ان کی رخصتی کے درمیان ساڑھے نو مہینے کا وقفہ تھا۔ (استیعاب صفحہ ۳۹۲ ج ۴)

جنگ احد بالاتفاق ۱۵ شوال ۳ھ ہجری یوم شنبہ کو ہوئی تھی۔ اگر حضرت فاطمہ رضؓ کی رخصتی جنگ احد کے بعد شوال ۳ھ ہجری میں ہوئی تھی تو ان کا نکاح محرم ۳ھ ہجری میں (بقول صاحب استیعاب) یا ربیع الاول ۳ھ ہجری میں (بقول صاحب اسد الغابہ) ہونا چاہئے۔ لہٰذا اصابہ میں محرم ۲ھ ہجری کا بیان صحیح نہیں ہے۔ اس اعتبار سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی حضرت فاطمہ رضؓ سے چار یا ساڑھے چار مہینے پہلے شوال ۳ھ ہجری ہی میں ہوسکتی ہے۔ ۲ھ ہجری کے معنے ۱۵ھ نبوت کے ہوتے ہیں اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ۱۰ھ نبوت میں ہوا تھا اور رخصتی ۱۵ھ نبوت میں ہوئی تھی جیسا کہ مشہور ہے اور عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، تو حضرت عائشہ رضؓ کی وہ مشہور روایت کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضؓ کی عمر چھ سال کی تھی اور رخصتی کے وقت نو سال کی تھی، غلط ہوجاتی ہے اگر نکاح کے وقت ۱۰ھ نبوت میں ان کی عمر چھ سال کی لی جائے تو رخصتی کے وقت ۱۵ھ نبوت (۲ھ ہجری) میں ان کی عمر گیارہ سال ہونی چاہئے نہ کہ نو سال۔

(۵) **حضرت عائشہ رضؓ کی پہلی منگنی** تمام اصحاب سیر اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف سے پیغام پہنچنے سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ کی بات چیت جبیر ابن مطعم کے لڑکے سے ہو چکی تھی۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ اس بات کی تشویش تھی کہ وہ جبیر ابن مطعم سے حضرت عائشہ رض کے لئے وعدہ کر چکے ہیں۔ وہ اس وعدہ خلافی کا ارتکاب کیسے فرمائیں۔ اس واقعہ کو سیرت النبی میں مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ

سنہ ۱۰ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عائشہ رض کا) نکاح ہوا۔ اس وقت شش سالہ تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جبیر ابن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں۔ حضرت خدیجہ رض کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی تحریک کی۔ آپ نے رضامندی ظاہر کی۔ خولہ رض نے ام رومان رض سے کہا، انھوں نے حضرت ابوبکر رض سے مذکور کیا، بولے کہ جبیر ابن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں اور میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ لیکن جبیر نے خود اس بناء پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہ ان کے گھر میں آگئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آجائے گا۔ بہرحال حضرت ابو بکر رض نے خولہ رض کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کر دیا۔ چار سو درہم مہر قرار پایا۔ الخ (سیرت النبی ص ۴۰٦ ج ۲)

یہاں دو باتیں غور طلب ہیں، پہلی بات تو یہ کہ چھ سال کی عمر میں حضرت عائشہ رض کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بتایا جاتا ہے۔ اور اس سے پہلے جبیر ابن مطعم کے لڑکے سے ان کی نسبت ہو جانا بھی بیان کیا جاتا ہے، تو کیا جبیر ابن مطعم کے لڑکے سے حضرت عائشہ رض کی منگنی تین چار سال کی عمر ہی میں ہو گئی تھی اور کیا عربوں میں اتنے چھوٹے بچوں کی منگنیاں کر دینے کا کوئی رواج موجود تھا؟ تاریخ ایسے کسی رواج کی نشان دہی نہیں کرتی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس منگنی کو توڑنے کی تحریک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ خود جبیر کی طرف سے ہوئی جس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اگر حضرت عائشہ ان کے گھر میں آگئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آجائے گا۔ اور انکار ہو جانے کے بعد ہی حضرت صدیق اکبر رض کے لئے یہ ممکن ہو سکا کہ وہ حضرت عائشہ رض کا عقد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرما سکیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رض کا نکاح ہونے کے وقت ان کی عمر محض چھ سال کی تھی تو جُبیر نے لامحالہ اس سے پہلے ہی انکار کیا ہو گا. کیا ایک چھ سال کی لڑکی، جسے بات کرنے اور بات کو سمجھنے کا بھی سلیقہ نہیں ہوتا اس قابل سمجھی جا سکتی ہے کہ جُبیر کو اس کے متعلق یہ اندیشہ لاحق ہو سکے کہ اگر حضرت عائشہ رض ان کے گھر میں آگئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آجائیگا؟ ایک چھ سالہ لڑکی کے اسلام اور کفر کی حقیقت ہی کیا ہو سکتی ہے. یہ امر خود اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت چھ سال کی نہیں تھی جیسا کہ بتائی گئی ہے بلکہ ایسی عمر تھی کہ ان کا اسلام سسرال کے گھرانے کے لئے خطرہ بن سکتا تھا اور اسی خطرہ کی بنا پر جُبیر نے انکار کر دینا ضروری سمجھا.

(۱) حضرت عائشہ رض کا علمی تفوق

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی علمی زندگی کے متعلق کتب حدیث و سیر میں جو کچھ بیانات ہمیں ملتے ہیں وہ ان کی جلالت شان اور علمی بزرگی کے شاہد ہیں. سیرت النبی میں ان کے متعلق بتایا گیا ہے کہ

> حضرت عائشہ رض کی علمی زندگی بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہے. حضرت ابوبکر رض حضرت عمر رض حضرت عثمان رض کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں. اکابر صحابہ پر انھوں نے دقیق اعتراضات کئے ہیں جن کو علامہ سیوطی رح نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے. ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں. جن میں ۱۷۴ احادیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے. بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں - ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں. بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے چوتھائی ان سے منقول ہیں. ترمذی میں ہے کہ صحابہ کے سامنے جب کوئی مشکل سوال پیش آجاتا تھا تو اس کو حضرت عائشہ رض ہی حل کرتی تھیں. ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان سے زیادہ خوش تقریر نہیں دیکھا. تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، خطابت اور ادب والنساب میں ان کو کمال حاصل تھا. شعراء کے بڑے بڑے قصیدے ان کو زبانی یاد تھے. حاکم نے مستدرک میں اور ابن سعد نے طبقات میں بہ تفصیل ان واقعات کو لکھا ہے اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ میں جستہ جستہ ان کے فضل و کمال کے دلائل و شواہد ملتے ہیں.
>
> (سیرت النبی صد ۴۰۷ - ۴۰۸ ج ۲)

حضرت عروہ رح ابن الزبیر کا بیان ہے کہ

میں نے کسی عورت کو طب، فقہ، اور شعر میں حضرت عائشہ رضؓ سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

(جمع الفوائد صـ ۲۳۴ ج ۲)

امام زہری فرماتے ہیں کہ

اگر اس امت کی تمام عورتوں کا علم جمع کر لیا جائے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی شامل ہیں تو حضرت عائشہ رضؓ کا علم ان سب سے بڑھ جائیگا۔ (ایضاً صـ ۲۳۴ ج ۲)

جہاں تک علوم شرعیہ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، اسرار شریعت وغیرہ کا تعلق ہے، بلا شبہ یہ تمام علوم آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے حاصل ہوئے تھے اور یہ بات کسی درجہ میں بھی تعجب خیز یا حیرت انگیز نہیں ہے۔ لیکن ان علوم وفنون کے ساتھ خطابت۔ طب۔ انساب عرب۔ عربی زبان وادب، اور شعراء جاہلیت کے اشعار اور طویل طویل قصائد کا زبانی یاد ہونا ایسی چیزیں ہیں جن کو سیکھنے کا زمانہ لامحالہ وہ نہیں ہو سکتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں آپ نے گذارا تھا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں نہ تو شعر و شاعری کے چرچے رہتے تھے۔ نہ شعراء جاہلیت کی قصائد خوانیاں ہوتی تھیں اور نہ ان باتوں کا وہاں کوئی محل تھا۔ آپ کے گھر میں انسابِ عرب کی گفتگوئیں بھی نہیں رہتی تھیں کہ اسلام نے نسبی امتیاز و تفوق کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ اسلام کا رجحان تو کچھ اس کے خلاف ہی تھا۔ اسی طرح نہ وہاں طب اور خطابت کی تعلیم وتربیت کا کوئی موقعہ تھا۔ لامحالہ یہ تمام علوم وفنون آپ نے اپنے میکے ہی میں حاصل کئے ہوں گے ـــــ کیونکہ وہیں اس کا موقعہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ابوبکر صدیق عرب کے سب سے زیادہ نسب دان تھے۔ عجلی نے کہا ہے کہ وہ قریش میں، قریش کے انساب کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ ابن اسحٰق نے السیرۃ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ابوبکر اپنی قوم میں نہایت محبوب، نہایت پسندیدہ اور نرم اخلاق شخصیت تھے۔ اور قریش کے سب سے زیادہ نسب شناس تھے۔ اور انساب میں جو خوبی یا نقص ہوتا تھا اس کے سب سے زیادہ واقف تھے۔ نہایت خلیق کاروباری تھے۔ لوگ ان سے ان کے علم، تجربات اور حسن مجالست کی وجہ سے محبت کرتے ہیں تھے۔ (الاصابہ صـ ۳۴۴ ج ۲)

اسلئے یہ تمام علوم وفنون انہیں اپنے والد بزرگوار ہی سے حاصل ہو سکتے تھے اور حاصل ہوئے ہوں گے لیکن مذکورہ روایت کے مطابق صرف نو سال کی عمر میں آپ میکے سے رخصت ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حظیرۂ قدس میں تشریف لا چکی تھیں اور علوم شرعیہ کی تحصیل میں منہمک ہو چکی تھیں۔ عقل انسانی اسے کسی طرح بھی باور نہیں کر سکتی کہ ایک نو سال کی الھڑ لڑکی اپنے میکے میں ان تمام علوم وفنون میں اس مہارت کی مالک ہو سکتی ہے کہ اس کا علم پوری امت کی عورتوں سے بڑھ جائے۔ اور کمال کا درجہ حاصل کرلے۔ سات سال سے پہلے تو کوئی بچہ یا لڑکی کچھ سیکھنے کے قابل بھی نہیں ہوتی۔ تو کیا دو سال کا عرصہ ان علوم وفنون کی اس پایہ کی تکمیل کے لئے کافی سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت عروہ ابن الزبیر کو سارے عرب میں طب، شعر اور فقہ میں ان سے زیادہ عالم کوئی عورت ہی نظر نہ آئے۔ لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ روایت کہ رخصتی کے وقت حضرت عائشہ رضؓ کی عمر نو سال تھی یا تو غلط ہے یا اس میں کوئی ناپسندیدہ تصرف کیا گیا ہے۔ ہمارا خیال یہی ہے کہ اس روایت میں سے دہائی کا لفظ یا تو سہواً کسی راوی سے ساقط ہو گیا ہے یا عمداً ساقط کیا گیا ہے۔ جیسا کہ نمبر (۱) و (۲) و (۳) میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ نکاح کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر کسی طرح بھی سولہ سترہ سال سے کم اور رخصتی کے وقت انیس بیس سال سے کم نہیں بیٹھتی۔ اتنے کثیر شواہد اور دلائل کے بعد کسی طرح بھی اس حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال یہ تھی وہ حدیث جس کی سند پر اگرچہ کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا لیکن درایت کے اعتبار سے وہ قطعاً غلط ہے۔

ایک دوسری روایت

صغرسنی کی شادیوں کے جواز پر بعض فقہاء کرام نے ایک دوسری روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو اگرچہ غالباً صحاح کی روایت نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے یہ روایت باوجود تلاش کے صحاح میں نہیں مل سکی لیکن بہر حال ایک روایت ہے: روایت یہ ہے:-

عن محمد بن اسحاق قال اخبرنی عبد اللہ بن ابی بکر ابن حزام وعبد اللہ بن الحارث ومن لا اتّھم عن عبد اللہ ابن شدّاد ان کان الذی زوّج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مجھے عبد اللہ ابن ابی بکر ابن حزم اور عبد اللہ ابن الحارث اور ایک ایسے آدمی نے بتایا جسے میں متہم نہیں سمجھتا کہ عبد اللہ ابن شداد کا بیان ہے کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح

امّ سلمۃ ابنها سلمۃ فزوّجه رسول اللّٰه صلی اللّٰه وسلّم بنت حمزۃ وهما صبیان صغیران فلم یجتمعا حتی ماتا فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم هل جزیتُ سلمۃ بتزویجه ایای امّه
(احکام القرآن لابی بکر الجصاص الرازی)
(ج ۲: ص۶۲)

حضرت ام سلمہ رضؓ سے کیا تھا وہ ان کے بیٹے سلمہ تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت حمزہ کی صاحبزادی سے فرما دیا تھا اور یہ دونوں ان دونوں چھوٹے بچے تھے. مگر دونوں کی موت واقع ہوجانے کی وجہ سے یہ دونوں یکجا نہیں ہوسکے ـ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ کیا میں نے سلمہ کی اس بات کا بدلہ کہ اس نے اپنی ماں کے ساتھ میرا نکاح کرایا تھا، اتار دیا ہے؟

یہ روایت سند کے اعتبار سے جیسی کچھ ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے. لیکن برسبیل تنزل اگر اس روایت کو قابل اعتماد بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی اس سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چھوٹے بچوں کا نکاح کرا دیا تھا. اس لئے آج بھی ہر شخص کے لئے ایسا کرنا جائز ہے. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں قرآن کریم کی یہ تصریح موجود ہے کہ

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ
الاحزاب ۳۳/۶

نبی (صلعم) مسلمانوں پر ان کے نفسوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں.

اور

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ الاحزاب ۳۳/۳۶

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ فرمادیں تو انھیں اپنے کسی معاملہ میں اختیار باقی رہے.

لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو سلمہ اور بنت حمزہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کی مرضی کے خلاف بلوغ کے بعد بھی کر سکتے تھے. اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ آپ نابالغی کی حالت میں نکاح کر دیں یا

یا بالغی کی حالت ہیں۔ مگر یہ خصوصیت صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل تھی۔ امت میں کوئی دوسرا شخص اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تصرف پر قیاس کر کے عام مسلمانوں کو اس تصرف کا حق نہیں دیا جا سکتا۔

اس روایت کی ایک توجیہ یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ اس روایت میں زَوَّجَ (شادی کرادی) کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے۔ درحقیقت آپ نے نکاح نہیں کیا تھا بلکہ منگنی کا اعلان فرما دیا تھا لیکن آپ کی جانب سے منگنی کا اعلان بھی چونکہ اپنے اندر ایک قسم کی قطعیت لئے ہوئے تھا اس لئے اسی کو مجازاً زَوَّجَ (شادی کرادی) سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

قرآنی آیت سے استدلال

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قرآن کریم نے نصِّ صریح کے ساتھ شادی اور نکاح کی عمر بلوغ کو قرار دیا ہے۔ لیکن ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اس نصِّ صریح کے علی الرغم ہمارے بعض علمائے کرام نے صغر سنی کی شادیوں کیلئے خود قرآن کریم کی آیات سے بھی استدلال فرمانے کی سعی نامشکور فرمائی ہے۔ ان استدلالات کی مضحکہ خیزی قابلِ صد عبرت ہے اس وقت میرے سامنے ملک کے مقتدر چودہ علمائے کرام کا وہ تبصرہ ہے جو عائلی قوانین کے خلاف شائع کیا گیا ہے اور جس کی بڑی زبردست پبلسٹی کی گئی ہے۔ یہ حضرات اس مسئلہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ

> قرآن کریم میں بالفاظ صریح ایسی لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے جس کو ابھی حیض نہ آیا ہو۔ سورۂ طلاق کی آیت نمبر ۴ میں بتایا گیا ہے کہ جن عورتوں کا حیض آنا بند ہو چکا ہو یا جن عورتوں کو ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، ان کے معاملہ میں عدّت طلاق تین مہینے ہے۔ اب ظاہر ہے کہ عدّت طلاق کا سوال ہی اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ پہلے نکاح ہو چکا ہو۔ اسی طرح قرآن مجید صریح طور پر اس لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیتا ہے جس کو حیض آنا نہ شروع ہوا ہو۔ الخ۔

ان چودہ حضرات علمائے کرام کے اس استدلال کو پڑھ کر میرا سر ندامت سے جھکا جا رہا ہے کیونکہ یقیناً ان بلند مرتبت حضرات کو اتنی سی بات تو معلوم ہی ہوگی کہ اگر بیوی کو مقاربت سے پہلے ہی طلاق دیدی جائے تو بیوی پر طلاق کی عدت واجب نہیں ہوتی، قرآن کریم کا یہ منصوص حکم اور فقہائے امت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔ تو اگر سورۂ طلاق کی آیت نمبر ۴ کا وہی کچھ مطلب ہے جو یہ حضرات باور کرانا چاہتے ہیں کہ

اس سے مراد کمسن اور نابالغ لڑکیاں ہیں جنھیں ابھی تک ایام آنے شروع ہی نہیں ہوئے کہ وہ تین مہینے کے حساب سے اپنی عدت پوری کریں. کیونکہ اس استدلال کے بموجب عدّتِ طلاق کا سوال ہی اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ پہلے نکاح ہوچکا ہو تو کیا ان حضرات کو یہ بات یاد دلائی جاسکتی ہے کہ عدّتِ طلاق کا سوال ہی اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ ان کمسن اور نابالغ لڑکیوں کے شوہروں سے نکاح کرنے کے بعد جنسی تسکین حاصل کرتے ہوئے ان سے مقاربت بھی کرچکے ہوں ؟ کیونکہ عدت کے لئے جہاں نکاح ضروری ہے وہیں مقاربت کا وقوع بھی ضروری ہے. لہٰذا اگر اس آیت کریمہ سے "بالفاظ صریح" اور "صریح طور پر" نابالغ اور کمسن لڑکیوں سے نکاح کا جواز ثابت ہوسکتا ہے تو اس کے ساتھ ہی "بالفاظ صریح اور "صریح طور پر" ان سے مقاربت کا جواز بھی ثابت ہوجاتا ہے. کیا قرآن کریم اسے جائز قرار دے سکتا ہے ؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! یہ قرآن کریم پر انتہائی افسوسناک اتہام ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا.

آیت کریمہ کا صحیح مفہوم

اس آیت میں درحقیقت ان عورتوں کی عدت کا حکم بیان کیا گیا ہے جو بالغ ہوچکی ہیں، جن کے شوہران سے مقاربت بھی کرچکے ہیں لیکن کسی بیماری یا عذر کی وجہ سے ان کو ایام نہیں آرہے ہیں. عورتوں میں اس قسم کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں، جس کی تصدیق آج تو ہر زنانہ کلینک سے کی جاسکتی ہے. اس کی دلیل بھی خود اسی آیت کریمہ میں موجود ہے کہ یہاں ان عورتوں کا بیان ہورہا ہے جنہیں ایام آنے چاہئیں لیکن کسی عذر یا بیماری کی بنا پر انہیں ایام نہیں آرہے. ہر وہ شخص جسے عربی زبان سے ذرا سا بھی مس ہے وہ جانتا ہے کہ عربی زبان میں مَا اور لَا معمولی اور سادہ نفی کے لئے آتے ہیں. اور لَمْ اور لَمَّا، غیر معمولی، مؤکد، یعنی نفی جحد کے لئے آتے ہیں.

مَاحِضْنَ یا حِضْنَ کے معنی ہیں "انہیں ایام نہیں آئے" اور لَمْ یَحِضْنَ اور لَمَّا یَحِضْنَ کے معنی ہیں: "انھیں ہرگز ایام نہیں آئے" یا "انہیں ابھی تک ہرگز ایام نہیں آئے". بلاغت کا عام اصول یہ ہے کہ تاکید کا صیغہ اسی وقت استعمال کیا جاسکتا ہے جبکہ اس کے خلاف دوسری طرف سے کوئی ادّعار پایا جارہا ہو یا کم از کم اقتضائے حال کا تقاضا اس کے خلاف ہو. ورنہ تاکید کا صیغہ استعمال کرنا محض بے محل اور خلاف اصول ہوگا. اگر بات وہی ہوتی جو ہمارے علمائے کرام باور کرانا چاہتے ہیں تو یہاں مَاحِضْنَ کا لفظ استعمال ہوتا. کیونکہ نابالغ اور کمسن لڑکیوں کے سلسلہ میں نہ تو کسی طرف سے یہ ادّعار پایا جارہا ہے کہ انھیں ایام آچکے ہیں اور نہ ہی اقتضائے حال کا یہ تقاضا ہے کہ انہیں ایام آچکے ہوں. البتہ اگر طلاق دی ہوئی عورت بالغ ہے. اس کا شوہر اس

سے مقاربت بھی کرچکا ہے۔ بلکہ اس کے ایک آدھ بچہ بھی ہوچکا ہے تو یہاں کم ازکم اقتضائے حال کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی عورت کو ایام آچکے ہیں یا آرہے ہیں لیکن کسی عذر یا بیماری کی وجہ سے ایسا نہیں ہورہا ہے۔ لہٰذا ایسے موقعہ پر تاکید کا صیغہ استعمال کرنا برمحل بھی ہے اور مطابق اصول بھی۔

اس تفصیل کے بعد واضح ہوجاتا ہے کہ مذکورہ بالا آیت سے صغرسنی کی شادیوں کے جواز پر استدلال کرنا کس قدر غلط اور کتنا مہمل ہے۔

خلاصۂ مبحث بحث کافی طویل ہوگئی ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ جو باتیں گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہیں، اب انہیں اپنے ذہن میں تازہ کرلیں اور انھیں دوبارہ مستحضر فرمالیں۔

گذشتہ صفحات میں یہ حقائق ہمارے سامنے آچکے ہیں کہ صغرسنی کی شادیوں کا رواج عرب معاشرہ میں نہ اسلام سے پہلے عہدِ جاہلیت میں کہیں ملتا ہے اور نہ اسلام کے بعد عہدِ نبوت میں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات میں بھی کوئی ایسی ہدایت نہیں ملتی کہ صغیرالسن لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح کیا جاسکتا ہے یا نہیں اور کیا جاسکتا ہے تو کس طرح؟ کن صورتوں میں انہیں فسخ نکاح کا اختیار ہوگا اور کن صورتوں میں نہیں ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ حالانکہ ہر عہد کی قانونی ہدایات اس عہد کے رسوم و رواج اور واقعات و اجرایات کا آئینہ اور مظہر ہوا کرتی ہیں۔

ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ قرآنِ کریم نے نصِّ صریح کے ساتھ بلوغ کو نکاح کی عمر قرار دیا ہے اور بقول مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت قرآنی اور نصِّ صریح کے بعد اس موضوع پر بحث و اختلاف کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

اس اجماع کی حقیقت بھی ہمارے سامنے بے نقاب ہوچکی ہے جس کا اس زور و شور سے ڈھنڈورہ پیٹا جارہا ہے کہ قاضی امام ابن شبرمہ اور امام ابوالعباس اصم جیسے فقہاء نابالغ لڑکیوں کے نکاح کو بھی جائز نہیں سمجھتے تھے اور بقول امام ابن حزم نابالغ لڑکوں کے نکاح کو تو فقہاء کی ایک بڑی جماعت ناجائز قرار دیتی رہی ہے۔

حضرات علمائے کرام کی طرف سے صغرسنی کی شادیوں کے جواز پر دو روایتیں اور ایک قرآنی آیت پیش کی جاتی ہے۔ پہلی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے کہ ان کا نکاح چھ سال کی عمر

میں اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہوگئی تھی۔ لیکن آپ دیکھ چکے ہیں کہ خود صحیح بخاری کی روایت اور تمام تاریخی شہادتیں اس کی تردید کرتی ہیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمروں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا جو فرق بتایا گیا ہے اس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ نکاح کے وقت ان کی عمر کم از کم انیس سال ضرور تھی۔ اس وجہ سے ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ سہواً یا قصداً اس روایت میں سے دہائی کا لفظ (عشرہ) کسی کاتب کی غلطی سے رہ گیا ہے اور اس طرح سولہ کا چھ اور انیس کا نو بن گیا ہے۔ اور یہ بات کوئی تعجب خیز نہیں ہے۔ جن حضرات کو کاتبوں کی اغلاط کا تجربہ ہے وہ اسے قطعاً مستبعد قرار نہیں دیں گے۔

رہ گئی دوسری روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ رض کا نکاح حضرت حمزہ رض کی صاحبزادی سے کردیا تھا جبکہ دونوں صغیر السن بچے تھے۔ تو اس کے متعلق بھی ہم بتا چکے ہیں کہ آپ تو کسی کی شادی اس کی مرضی کے خلاف جوان ہونے کے بعد بھی کردینے کا حق رکھتے تھے۔ اس واقعہ کو مثال بنا کر جبکہ اس کی سند بھی کچھ زیادہ دقیع نہیں ہے عام لوگوں کے لئے اس حق کو تسلیم کرلینا صحیح نہیں ہے۔

اس کے بعد آپ اس عبرتناک استدلال کی حقیقت بھی دیکھ چکے ہیں جو ہمارے علمائے کرام نے قرآن کریم کی ایک آیت سے فرمایا تھا کہ اس سے نہ صرف کمسن بچیوں کا نکاح ہی جائز ہوجاتا ہے بلکہ اس سے اس بوالہوسی کا جواز بھی نکل آتا ہے کہ کم سن بچیوں کو شہوت رانی کا شکار بھی بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد آپ یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا صحیح محمل کیا ہے۔

ان تمام تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جو حضرات صغر سنی کی شادیوں کے جواز کے قائل چلے آرہے ہیں، ان کے پاس اس کی کوئی قابل اعتماد دلیل موجود نہیں ہے۔ یقیناً انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے اشتباہ ہوا ہے۔ ان حضرات نے اس روایت کی سند کو دیکھ کر اسے صحیح تسلیم کرلیا اور اس کے نفس مضمون اور متن کے مضمرات پر غور نہیں فرمایا۔ ہمارا خیال بھی یہی ہے کہ اس سلسلہ میں روایت کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ قصور اس کاتب کا ہے جس نے دہائی کا لفظ (عشرۃ) اس میں سے سہواً یا قصداً حذف کردیا ہے۔

ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارے مقتدر علمائے کرام ان حقائق و شواہد کی روشنی میں اپنے موقف پر نظر ثانی فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے اور صغر سنی کی شادیوں کے سلسلہ میں اپنی اس شدید مخالفت سے احتراز فرمائیں گے جس کا مظاہرہ ان حضرات کی طرف سے آجتک برابر ہوتا رہا ہے۔